مولانا محمد علی جوہر: آل انڈیا مسلم لیگ کے آئینے میں

شاہدہ الیاس

محمد علی جوہر ۱۰ دسمبر ۱۸۷۸ء بمطابق ۱۵ ذوالحجہ ۱۲۹۵ھ بروز منگل ہندوستان کی مسلم ریاست رام پور (یو۔پی) میں پیدا ہوئے[۱]۔ یہ وہ دور تھا جب برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کی قیادت وسیادت کا چراغ گل ہو چکا تھا۔اس سے قبل یہاں مسلمانوں نے تقریباً چھ سو سال تک حکومت کی تھی۔اب ان کی جگہ عیسائی حکومت نے لے لی۔ یہ غیر ملکی عیسائی حکومت جو تاریخ میں انگریز حکومت کے نام سے مشہور ہوئی۔ملک انگلستان سے تعلق رکھتی تھی۔اس کے دورِ حکومت میں بالخصوص مسلمانانِ ہند کو سنگین مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑا۔سیاسی طور پر ان کا اثر و نفوذ ختم ہو گیا تو معاشی و سماجی پریشانیاں ان کی زندگی کا حصہ بن کر رہ گئیں[۲]۔محمد علی جوہر بھی شاید ان حالات کا شکار ہو کر کچھ نہ کر پاتے لیکن ان کی والدہ کی ہمت و جرات نے ان کی جدید تعلیم کے لئے راہیں ہموار کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔انکی والدہ محترمہ آبادی بانو بیگم (۱۸۵۲ء۔۱۹۲۴ء) جو تاریخ میں بی اماں کے لقب سے یاد کی جاتی ہیں۔ایک بلند حوصلہ راسخ الارادہ، روشن خیال اور دین دار خاتون تھیں۔اگرچہ خود انہوں نے تعلیم حاصل نہ کی تھی لیکن وہ جدید تعلیم کے خلاف نہیں تھیں وہ غلامی سے متنفر اور آزادی کی خواہاں تھیں۔انہوں نے خانگی و معاشی مسائل کی فراوانی کے باوجود محمد علی کو جدید تعلیم سے آراستہ کیا۔رام پور، بریلی، علی گڑھ (۱۸۹۰ء۔۱۸۹۸ء) اور انگلستان (آکسفورڈ) (۱۸۹۸ء۔۱۹۰۲ء) تک محمد علی کو حصول تعلیم کے لئے بھجوایا[۳]۔

محمد علی جب انگلستان سے تحصیل علم کے بعد واپس آئے تو ہندوستان میں ہندوؤں کی نمائندہ سیاسی جماعت کانگریس کا طوطی بول رہا تھا۔وہ ملک کے سیاسی افق پر چھا چکی تھی۔کانگریس کے قیام (۱۸۸۵ء) سے پہلے ہندوؤں کی بہت سی سیاسی تنظیمیں مثلاً برہمو سماج (۱۸۲۸ء) دیو سماج (۱۸۸۷ء) آریہ سماج (۱۸۷۵ء) پرارتھنا سماج اور گئو رکھشا سبھا وغیرہ قائم ہو چکی تھیں[۴]۔لیکن ان میں سے کسی کو بھی ملک گیر حیثیت حاصل نہ تھی۔ہندوؤں کی اس قسم کی تحریکوں اور تنظیموں کا مقصد بظاہر مذہب کی اصلاح تھا۔مگر درحقیقت ہندو قومیت کا سیاسی فروغ تھا۔لیکن حالات معمول کے مطابق تھے۔کوئی غیر معمولی تبدیلی وقوع پذیر نہیں ہوئی تھی۔بلکہ وائسرائے لارڈ کرزن (۱۸۵۹۔۱۹۲۵ء) کی اصلاحات واقدامات کی وجہ سے صورتحال تسلی بخش تھی[۵]۔دوسری طرف کانگریس کی روش بھی

اعتدال پسندانہ تھی۔ سو محمد علی میدان سیاست میں قدم رکھنے کی بجائے روزگار کی تلاش میں سرگرداں ہوئے۔ کیونکہ خانگی ومعاشی مسائل سے نمٹنے کے لئے بہتر روزگار کا حصول از حد ضروری تھا۔ علی گڑھ کالج میں پڑھانے کی خواہش اس وقت کے پرنسپل مسٹر تھیوڈور ماریسن کی مخالفت کے باعث پوری نہ ہو سکی[۶]۔ محمد علی کا طبعی رجحان درس وتدریس کی طرف تھا۔ سو والئی رام پور نواب حامد علی خان (۱۸۷۵ء-۱۹۳۰ء) نے انھیں ریاست میں چیف ایجوکیشن آفیسر مقرر کر دیا اور ساتھ ہی رام پور ہائی اسکول کی پرنسپل شپ کے فرائض بھی سونپ دیئے[۷]۔

محمد علی جیسے خوددار، آزاد منش، نظریاتی اور متحرک شخص ریاستی پابندیوں میں جکڑ کر نہیں رہ سکتے تھے۔ انھوں نے ایک سال بعد ہی رام پور کی ملازمت کو خیر باد کہہ دیا[۸]۔ محمد علی کے زمانہ آکسفورڈ کے دوست فتح سنگھ ولی عہد بڑودہ کی کوشش اور تحریک سے محمد علی کو ریاست بڑودہ میں محکمہ افیون کے اعلیٰ آفیسر یعنی سپرنٹنڈنٹ کا عہدہ دے دیا گیا۔ جہاں محمد علی نے سات سال تک اپنے فرائض سرانجام دئے[۹]۔ ابھی تک محمد علی ملازمت کی بندشوں کی وجہ سے عملی طور پر میدان سیاست میں نہیں آئے تھے لیکن ان کے اندر ملک وقوم کی خدمت اور حقوق کی بحالی کا جذبہ موجزن تھا[۱۰] جس کا اظہار وہ وقتاً فوقتاً اپنی تحریروں میں کرتے رہتے تھے۔

محمد علی ریاستی ملازمت ومصروفیات کے باوجود نا صرف ملکی سیاست اور حالات وواقعات پر گہری نظر رکھتے تھے بلکہ اکثر سیاسی قائدین کے ساتھ ان کا رابطہ رہتا تھا۔ شملہ وفد (۱۹۰۶ء) کی ترتیب وتیاری اور وائسرائے سے ملاقات کے لئے جو طریقہ کا اختیار کیا گیا تھا، محمد علی اس سے ناخوش تھے۔ انھوں نے اسے تعمیل حکم قرار دیا تھا لیکن وفد نے جو مطالبات پیش کئے تھے وہ ان سے متفق تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ مسلمان بھی متحرک ہوں اور حقوق کی طلبی کے لئے میدان عمل میں آئیں۔ گو اس وقت محمد علی نے شملہ وفد کے بارے میں کوئی تحریری بیان نہ دیا لیکن بعد ازاں انھوں نے اپنی تحریروں میں اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ:

> ''چنانچہ اکتوبر ۱۹۰۶ء میں مسلمانوں کا مشہور وفد شملہ کی چوٹیوں پر بلایا گیا۔ گو القاء حکومت کی طرف سے ہوا تھا لیکن اب مسلمان خود بھی اتنی تعلیم پا چکے تھے کہ حقوق طلب کر سکیں۔ اور انھوں نے جن حقوق کا مطالبہ کیا وہ یقیناً ان کا حق تھا''[۱۱]۔

حالات وواقعات کا تجزیہ کرنے کے بعد محمد علی نے شملہ وفد کی اہمیت اور کامیابی کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ:

اس ڈیپوٹیشن کو بازیابی ہی نہیں بلکہ کامیابی حاصل ہوئی اور اس کے بعد مسلمانوں نے اس کی ضرورت محسوس کی کہ اسی صوبے میں جا کر جس میں ان کی اکثریت تقسیم بنگال کے باعث ہوگئی تھی اور جہاں مسلمان ہنود کے ساتھ جنگ کے کشمکش کے باعث پریشان تھے۔ایک سیاسی جمعیت ملیہ قائم کریں تاکہ آئندہ اصلاحات میں ان کے حقوق کا پاس رکھا جائے اور جو حقوق ان کو ملیں ان کا وہ صحیح استعمال کرسکیں۔اس سیاسی جمعیت ملیہ کا نام ڈھاکہ کی ایجوکیشنل کانفرنس کے بعد مسلم لیگ رکھا گیا اور اس کی بناء پر اس کے قانون اساسی کی تیاری میں نواب وقار الملک مرحوم،مسٹر مظہر الحق،سید وزیر حسن اور سید ظہور احمد لکھنوی کے ساتھ میرا بھی معتدبہ حصہ تھا[۱۲]۔

اسی دوران چند سالوں میں ایسے واقعات پیش آئے حقیقتاً جن کا رخ مسلمانوں کے خلاف تھا۔آریہ سماج جو ہندو مذہب کے احیاء کیلئے شروع کی گئی تھی۔اس نے ہندوؤں کو اسلام کے خلاف برسرپیکار کردیا۔اور ہندوستان صرف (ہندوؤں) ہندوستانیوں کے لئے India for Indians کا نعرہ لگایا[۱۳]۔دکن کے سیاستدان بال گنگا دھر تلک نے محرم کے جلوس کے مقابلے میں مسلمانوں کے خلاف گنپتی کے میلے کا آغاز کردیا۔تلک اور اس کا بنگالی ساتھی سریندر ناتھ بینرجی جو ظلم وفریب کی کالی دیوی کے پجاری تھے۔کانگریس پر چھا گئے تھے۔انھوں نے ہندو قوم کی سیاست کا رخ مسلمانوں اور اسلام کے خلاف موڑ دیا[۱۴]۔متعصب اور انتہا پسند ہندوؤں نے مسلمانوں کو زبردستی ہندو بنانے کے لئے شدھی تحریک کا آغاز کردیا۔اس مقصد کے حصول کے لئے ''بھارت مہا منڈل'' نام کی تنظیم قائم کی گئی۔جس کا سربراہ مہاراجہ ڈربھنگہ کو بنایا[۱۵]۔ان حالات میں مسلمانوں کے لئے اپنا دفاع ضروری تھا۔اس کے لئے سیاسی طور پر منظم ہونے کی ضرورت تھی۔

انڈین نیشنل کانگریس (۱۸۸۵ء) تقسیم بنگال (۱۹۰۵ء) شملہ وفد (۱۹۰۶ء) اور دیگر سیاسی تنظیموں نے مسلمانوں میں سیاسی بیداری پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔خوش آئند بات یہ ہے کہ یہ احساس اسی جماعت کی طرف سے ہوا جو سید احمد خان (۱۸۱۷ء-۱۸۹۸ء) کی جانشین تھی اور سیاست کو شجر ممنوعہ سمجھ کر اس سے ہر وقت بے تعلقی کا اظہار کرتے رہنا ملکی خدمت اور قومی وفاداری گردانتی تھی۔دراصل ایسا کرنا اس وقت کی ضرورت اور مسلمانوں کی مجبوری تھی۔اب مسلم رہنماؤں کو اس بات کا یقین ہوگیا کہ ان کی اپنی نمائندہ سیاسی جماعت ہونی چاہیے جو مسلمانوں کے سیاسی وثقافتی مفادات کا تحفظ کرے اور تمام اہم مواقع پر قوم کی جانب سے اظہار خیال کرتی رہے۔شملہ

وفد نے متحدہ عمل کی قوت کا مظاہرہ کر کے اس عقیدے کو مستحکم کر دیا۔ اس عزم پر عمل کرتے ہوئے مسلم رہنما ڈھاکہ میں جمع ہوئے۔ ۱۹۰۶ء میں بمقام ڈھاکہ ایجوکیشنل کانفرنس منعقد ہوئی تو مسلمانوں کی آئندہ سیاسی زندگی کی تشکیل کے طور پر ایک سیاسی جماعت آل انڈیا مسلم لیگ وجود میں آئی [۱۶]۔ محمد علی جوہر جو ملازمت کے ساتھ ساتھ سیاست میں بھی بھرپور دلچسپی لینے لگے تھے انہوں نے بھی مسلم لیگ کے تاسیسی اجلاس جو کہ ۳۰ دسمبر ۱۹۰۶ء میں ڈھاکہ میں منعقد ہوا شرکت کر کے یقیناً اطمینان حاصل کیا [۱۷]۔ انھوں نے آل انڈیا مسلم لیگ کی قرارداد کی تائید کرتے ہوئے اس حقیقت کا اعتراف کیا کہ: ''ہاں مجھے معلوم ہے کہ آپ کی مسلم لیگ کی شروعات جون ۱۹۰۶ء میں ہوئیں۔ ہمیں یہ نام پسند آیا اور ہم نے اس کو اپنا لیا'' [۱۸]

مسلم لیگ کے تاسیسی اجلاس میں نواب سلیم اللہ خان آف ڈھاکہ (۱۸۸۴ء۔۱۹۱۵ء) نے جو خطبہ پیش کیا وہ محمد علی جوہر نے تیار کیا تھا [۱۹] جو ان کی سیاسی صلاحیتوں اور انگریزی قابلیت کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ بلاشبہ جس میں محمد علی کے ذاتی وسیاسی نظریات اور جذبات کا پرتو بھی موجود تھا۔ نواب سلیم اللہ خان نے قیام مسلم لیگ کی جو قرارداد پیش کی اس کی تائید میں محمد علی پیش پیش تھے۔ آپ نے لیگ کے قواعد وضوابط کی ترتیب و درستگی اور دستور کی تیاری میں اہم کردار ادا کیا۔ ۱۹۰۷ء میں تمام کاروائی کو "The green Book" نامی کتابچہ کی صورت میں شائع کیا۔ بقول سر یعقوب علی (۱۸۷۹ء۔۱۹۴۲ء)

مسلم لیگ کی مسافت اور اس کے قواعد کی ترتیب میں محمد علی (جوہر) کا بڑا حصہ تھا۔ اور اس وقت سے محمد علی کی زندگی سراپا سیاست بن گئی [۲۰]۔

مسلم لیگ میں شمولیت کے بعد محمد علی جنوبی ایشیاء کے مسلمانوں کی سیاسی تحریک کے اہم ستون بن گئے۔ انہوں نے گیکوارڈ آف بڑودہ سے تین ماہ (جنوری تا مارچ ۱۹۰۷ء) کی رخصت لے لی۔ تاکہ بحیثیت نمائندہ سیاسی جماعت مسلم لیگ کو خاص و عام میں متعارف کرائیں اور اس کے مقاصد ونصب العین سے آگاہ کریں۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے صوبہ جات متحدہ کا مختصر دورہ کیا۔ انہوں نے دو لیکچرز بعنوان:

2. The Present Situation اور **1. The Muhammadan programmes.,**

دئے [۲۱]۔ ان لیکچرز کا مقصد مسلم لیگ کی فعالیت اور اس میں دلچسپی پیدا کرنے کے علاوہ اس وقت کی سیاسی صورتحال سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا تھا۔ تاکہ بحیثیت قوم وہ ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوں۔ محمد علی نے اپنے ہم مذہبوں کو اتحاد کے

لئے کام کرنے کی نصیحت بھی کی۔ ملازمتی مصروفیات کے ساتھ محمد علی کی مسلم لیگ سے وابستگی بدستور رہی۔ اس کے ہر اجلاس میں ایک فعال ممبر کی حیثیت سے باقاعدہ شریک ہوئے۔ مسلم لیگ کے پہلے سالانہ اجلاس (۱۹۰۷ء کراچی) میں محمد علی کو مقامی ریاستوں کے گروپ کا نمائندہ منتخب کیا گیا[۲۲]۔ دوران اجلاس مختلف امور اور مسائل پر بحث میں بھی آپ نے حصہ لیا۔ اس اجلاس کی صدارت سر آدم جی پیر بھائی نے کی تھی۔ مارچ ۱۹۰۸ء علی گڑھ میں مسلم لیگ کا ایک خاص اجلاس منعقد ہوا جس میں دیگر امور کے علاوہ مسلم لیگ کے عہدیداروں کا انتخاب عمل میں آیا۔ محمد علی کو مسلم لیگ کی مرکزی مجلس عامہ کا رکن منتخب کیا گیا۔ اب مسلم لیگ کے ہر سالانہ اجلاس میں باقاعدگی سے شریک ہوتے تھے۔ دوسرے سالانہ اجلاس ۱۹۰۸ء منعقدہ امرتسر میں محمد علی شریک ہوئے جس میں انہوں نے ایک قرارداد کی تجویز پیش کی۔ جس کا مقصد تھا کہ ایک کمیشن مقرر کیا جائے جو مسلم لیگ کی رکنیت، عام مقاصد اور مسلمانوں کی جبلی صلاحیتوں جو کہ نظم ونسق سے متعلق ہوں کا جائزہ لے۔ مسٹر علی امام (بعد میں سر علی امام) (۱۸۸۸ء۔۱۹۵۸ء) اس اجلاس کے صدر تھے۔ انہوں نے محمد علی کی تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے اسے سراہا[۲۳]۔

مسلم لیگ کا تیسرا سالانہ اجلاس جنوری ۱۹۱۰ء بمقام دہلی غلام محمد خان شہزادہ ارکاٹ (۱۸۶۳ء۔۱۹۲۷ء) کی صدارت میں ہوا۔ اس میں محمد علی نے ایک قرارداد کی تحریک پیش کی جس کا تعلق جنوبی افریقہ میں مقیم ہندوستانیوں کے تحفظ و مفادات اور حقوق سے تھا[۲۴]۔ مسلم لیگ کا چوتھا سالانہ اجلاس دسمبر ۱۹۱۰ء ہی میں ناگپور میں منعقد ہوا۔ جس کی صدارت سید نبی اللہ نے کی۔ اس میں محمد علی نے بھرپور حصہ لیتے ہوئے اردو زبان کی حمایت میں تقریر کی۔ انہوں نے اردو زبان کے بارے میں ہندوؤں کی مخالفت کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ:

> یہ بالکل ایسی بات ہے جیسے کوئی ساہوکار سونے چاندی کے قیمتی سکے صرف اس خیال سے کہ ان پر عرب اور ایران کی مہر لگی ہوئی ہے، گندے نالے میں ڈال دے۔ خاص طور پر اس قوم (ہندو) کا جو کہ کفایت شعاری میں شہرت رکھتی ہو ایسا کرنا بعید ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسا ہو رہا ہے۔ پنڈت مدن موہن مالویہ نے کانگریس کے حالیہ سیشن میں جو تقریر کی ہے اس میں سنسکرت الفاظ کی ایسی بھرمار تھی کہ سامعین میں مسلمان کیا خود ہندو بھی نہ سمجھ سکے کہ مالویہ صاحب کیا کہہ رہے ہیں۔ اس وقت اردو پر ہر طرف سے حملے ہو رہے ہیں اور ان سے دونوں طبقوں میں نفرت کی خلیج وسیع ہوتی جارہی ہے[۲۵]۔

محمد علی ہندو مسلم اتحاد کے زبردست حامی تھے۔کانگریس کے ہندو لیڈروں سے بھی ان کے مراسم تھے۔انہوں نے اجلاس میں اتحاد واتفاق کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے تقریر کے دوران کہا کہ:

''اس وقت جب کہ ہندو مسلم اتحاد کی راہیں نکلی ہیں۔ ہمارا کسی مسئلے پر الجھنا نقصان دہ ہوگا۔ جہاں تک اردو زبان کا تعلق ہے۔ ہندوؤں کو اس پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیے۔ مسلمان زبان کے سلسلے میں کسی طرح کا تعصب نہیں رکھتے ہیں''۔[۲۶]

یکم مارچ ۱۹۱۰ء کو مسلم لیگ کا صدر دفتر علی گڑھ سے لکھنؤ منتقل کر دیا گیا۔ اس کا فیصلہ مسلم لیگ کے پہلے سالانہ اجلاس میں کیا گیا تھا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس فیصلے سے پہلے محمد علی نے نواب وقار الملک (۱۸۴۱ء۔۱۹۱۷ء) کو خط لکھا تھا کہ مسلم لیگ کا صدر دفتر علی گڑھ سے کسی دوسرے مقام پر منتقل کر دیا جائے۔ کیونکہ علی گڑھ کالج کے یورپین اسٹاف کی وجہ سے مسلم لیگ پر سرکاری اثر ونفوذ کا خدشہ ہے۔ محمد علی نہ صرف مسلمانوں کے تعلیمی وسیاسی حقوق ومفادات کے لئے کوشاں تھے بلکہ ان کی ثقافت وزبان، تہذیب وتمدن اور تاریخ و معاشرت کے استحکام وبقا کے لئے بھی مصروف عمل تھے۔ وہ ملی مفادات کے لئے سرگرداں تھے۔ چنانچہ جوں جوں مسلمانوں کے سماجی ومعاشی حالات میں ابتری آتی گئی۔ محمد علی کا رجحان سیاست کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ یہ وہ دور تھا جب محمد علی ملازمت وسیاست کو ساتھ لے کر چل رہے تھے ہر حکومتی پالیسی پر ان کی نظر تھی۔ لیکن ملازمتی حدود کی وجہ سے کھل کر اپنے خیالات کا اظہار نہیں کر سکتے تھے۔ پھر بھی سرکاری وغیر سرکاری حلقوں سے ان کا برابر رابطہ تھا۔ اعلیٰ حکام سے خط وکتابت اس کا واضح ثبوت ہے۔ محمد علی جوہر نے ۷ جنوری ۱۹۰۹ء کو وائسرائے کے پرائیویٹ سیکرٹری ڈینلپ سمتھ کو ایک خط لکھا جس میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس امرتسر کا حوالہ دیتے ہوئے تحریر کیا کہ:

We wish to be more generous and emphatic in the resolution of thanks -But our Punjab Friends could not curb their antipathies in their relationswith their Hindufellow-Countryman to approve of a more generous recognition of wise and great reforms and the politic Proviscses which save them from being abused.[۲۷]

قیام مسلم لیگ کے چند ہی سالوں میں محمد علی نے میدان سیاست میں ایک اہم مقام حاصل کر لیا تھا جس کا اندازہ محمد علی کے نام ان خطوط سے ہوتا ہے جو مختلف سرکاری حلقوں سے انہیں موصول ہوئے۔ مثلاً ۲۶ فروری ۱۹۰۹ء کو

ملک کی سیاسی حالت سے متعلق کامن روم لنکران ڈبلیوسی سے محمد علی کو ایک خط موصول ہوا جس میں جداگانہ انتخابات اور مسلمانوں کو علیحدہ نمائندگی دینے سے متعلق تحریر تھا کہ:

Lord Minto has openly and clearly acknowledged the principle of separat substantial representation to Muslims [۲۸]

اس کے علاوہ ۱۶ مئی ۱۹۰۹ء کو گورنر بمبئی نے ایک خط کے ذریعے محمد علی کو مندرجہ ذیل اطلاع دی:

Six seats for Muslims whereas five were cashed by. provincial Muslim league of Bombay [۲۹].

مسلم لیگ کا پانچواں سالانہ اجلاس ۳ مارچ ۱۹۱۲ء کو نواب سلیم اللہ خان آف ڈھاکہ کی صدارت میں بمقام کلکتہ منعقد ہوا۔ اس میں محمد علی نے تنسیخ بنگال پر مسلمانوں کی مایوسی کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے ایک قرارداد کی تجویز پیش کی جس میں حکومت سے امید کی گئی تھی کہ وہ بنگال کے مسلمانوں کے تحفظ و مفادات کے بارے میں جلد از جلد کوئی قدم اٹھائے [۳۰]۔ مسلم لیگ کے سالانہ اجلاسوں کی روئیدادیں اس بات کی شھادت دیتی ہیں کہ محمد علی نے ان اجلاسوں میں نا صرف قراردادوں کی حمایت کی بلکہ بعض قراردادیں ان کی طرف سے پیش کی گئیں تھیں۔

مسلم لیگ جو ابھی تک صحیح معنوں میں عوامی حیثیت اختیار نہ کر سکی تھی، یہ امراء و شرفاء کی جماعت خیال کی جاتی تھی اور زیادہ تر پڑھے لکھے لوگ اس سے متاثر تھے۔ عوام میں اس کی جڑیں گہری نہ تھیں لیکن طرابلس و بلقان کی جنگوں، ترکی پر روز افزوں دباؤ اور دھمکیوں کو مسلم لیگی محمد علی نے جس جرأتمندی سے اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعے عوام کے سامنے عیاں کیا اور مستقبل کے منفی نتائج سے آگاہ کیا، اس سے عوام کا اعتماد مسلم لیگ کے لئے بڑھا اور انہوں نے محسوس کیا کہ ان کے لیڈروں کا مؤقف صحیح ہے جس سے مسلم لیگ کی مقبولیت میں اضافہ ہوا۔ ابتدائی زمانے میں مسلم لیگ صرف عام انتظامی امور اور ملازمتوں میں مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کا کام سرانجام دیتی تھی۔ جب بنگال کی تقسیم منسوخ ہوئی (۱۹۱۱ء) اور نواب وقار الملک (۱۸۴۱ء۔۱۹۱۷ء) خلد آشیاں میدان سیاست میں نکل آئے تو محمد علی جوہر ان کے دست راست تھے۔ تھوڑے ہی عرصے میں ایسی صورتحال پیدا کر دی کہ سر میاں محمد شفیع (۱۹۳۲ء۔۱۹۶۹ء) تک کہنے پر مجبور ہو گئے کہ مسلم لیگ کا نصب العین کامل خود اختیاری ہونا چاہیے۔ ۳۱ دسمبر ۱۹۱۲ء کو کونسل مسلم لیگ کا اجلاس سر آغا خان (۱۸۷۷ء۔۱۹۷۳ء) کی صدارت میں بمقام لکھنو ہوا جہاں مسلم لیگ کے دستور

میں ترمیم کا فیصلہ کیا گیا۔ کہ اب مسلم لیگ کا مقصد برصغیر کے لئے حسب حال حکومت خود اختیاری کا حصول ہے۔ دستور میں ترمیم کے سلسلے میں محمد علی نے ایک طویل مضمون بعنوان "The creed of muslim league" لکھا جو ۷ جنوری ۱۹۱۳ء کو کامریڈ میں شائع ہوا۔ جس میں مسلم لیگ کے چھٹے سالانہ اجلاس میں ترمیم کی توثیق کی گئی تو محمد علی نے اس میں بھرپور کردار ادا کیا[۳۱]۔ بہرحال مسلم لیگ کے دستور میں اس ترمیم کے لئے محمد علی جناح (۱۸۷۶ء۔۱۹۴۸ء) کے ساتھ محمد علی جوہر کا بھی نمایاں حصہ ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ مسلم لیگ کو نمائندہ جماعت کی حیثیت سے مقبول کرانے ، مضبوط بنانے ، اظہار وفاداری کی بجائے حکومت خود اختیاری کا مطالبہ کرنے اور جدوجہد کی راہ پر گامزن کرنے میں محمد علی جوہر کا قابل قدر حصہ ہے تو بے جا نہ ہوگا۔

۲۳ مارچ ۱۹۱۳ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس میاں محمد شفیع کی صدارت میں ہوا[۳۲] جس میں محمد علی نے ہندوستان سے باہر بسنے والے مسلمانوں کی صورتحال اور ترکوں کو درپیش مسائل کا جائزہ لیتے ہوئے کہا کہ ترکوں نے طرابلس و بلقان میں نام نہاد اور مہذب قوموں کے خلاف جوانمردی کا مظاہرہ کیا۔ اگر ترکوں میں پھوٹ نہ پڑی ہوتی تو طرابلس و بلقان کی جنگوں کے نتائج کچھ اور ہوتے۔ اس لئے انہوں نے مسلمانوں میں اتحاد برقرار رکھنے پر زور دیا۔ انہوں نے سماجی امن کی اپیل بھی کی جس کا مقصد یہ تھا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان اتحاد و تعاون زیادہ سے زیادہ مضبوط ہو کیونکہ صرف اسی حالت میں ہندوستان کو سیلف رول حاصل ہو سکتا تھا۔ ہندوؤں نے بھی مسلمانوں کی اس دعوت کا مثبت جواب دیا۔ کٹر اور فرقہ پرست ہندو لیڈر جو اسلامی تحریک کے شدید مخالف تھے وہ بھی اس مفاہمانہ فضا سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

۱۹۱۴ء میں مسلم لیگ کا اجلاس منعقد نہ ہو سکا۔ ۱۹۱۵ء میں محمد علی کامریڈ کے مضمون ''چوائس آف دی ٹرکس'' کی وجہ سے نظر بند کر دئے گئے اس لئے مسلم لیگ کے آٹھویں سالانہ اجلاس منعقدہ دسمبر ۱۹۱۵ء بمقام بمبئی میں شریک نہ ہو سکے۔ غیر حاضری کے باوجود آپ کو اس اجلاس میں مسلم لیگ کی کمیٹی کا رکن منتخب کیا گیا[۳۳]۔ مسلم لیگ کے نویں سالانہ اجلاس ۱۹۱۶ء جو لکھنؤ میں منعقد ہوا (بصدارت محمد علی جناح) اس میں بھی محمد علی نظر بند ہونے کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے۔ ۱۹۱۷ء میں مسلم لیگ کے دسویں سالانہ اجلاس کی صدارت کے لئے محمد علی جوہر کا نام تجویز کیا گیا۔ لیکن آپ رہا نہ ہوئے تھے۔ اس لئے عدم موجودگی میں آپ کی تصویر کرسئ صدارت پر رکھی گئی اور راجہ صاحب محمود آباد نے صدارت کے فرائض سرانجام دئے۔ راجہ صاحب نے اپنے خطبہ صدارت میں محمد علی کی خدمات کو سراہا اور

حکومت سے ان کی رہائی کا مطالبہ کیا۔ مسلم لیگ کا گیارھواں سالانہ اجلاس دسمبر ۱۹۱۸ء کو دہلی میں اے۔ کے فضل الحق (۱۹۶۲ء۔۱۸۷۳ء) کی صدارت میں ہوا۔ اس اجلاس میں بھی محمد علی نظر بندی کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے۔ اس اجلاس میں بھی بذریعہ قرارداد آپ کی رہائی کا حکومت سے مطالبہ کیا گیا[۳۴]۔

دسمبر ۱۹۱۹ء میں مسلم لیگ کا بارھواں سالانہ اجلاس امرتسر میں حکیم اجمل خان (۱۸۶۳ء۔۱۹۲۷ء) کی صدارت میں ہوا۔ محمد علی جیل سے رہائی کے بعد عوام و خواص کی دعوت پر سیدھے امرتسر پہنچے اور مسلم لیگ کے اجلاس میں شرکت کی۔ آپ کی اجلاس میں آمد سے پہلے مختلف امور اور مسائل سے متعلق قراردادیں زیر بحث تھیں۔ اس پر بحث ملتوی کر دی گئی اور محمد علی سے خطاب کرنے کی درخواست کی گئی۔ آپ نے دوران تقریر حق خطابت ادا کر دیا۔ رولٹ ایکٹ کی مخالفت کرتے ہوئے حکومت پر نکتہ چینی کی[۳۵]۔ بقول مولانا عبدالماجد دریابادی:

> ''مولانا محمد علی کی شرکت گویا تمام مسلمانان ہند کی شرکت تھی کیونکہ وہ اپنے علم و فضیلت، اسلام نوازی، جرأت، حق گوئی و بے باکی اور عظیم ایثار و قربانی کی وجہ سے ہندوستان کے مسلم لیڈر بن چکے تھے''[۳۶]

علامہ اقبال (۱۸۷۷ء۔۱۹۳۸ء) نے اس اجلاس میں محمد علی کو مخاطب کرتے ہوئے ان اشعار میں خراج عقیدت پیش کیا:

ہے اسیری اعتبار افزا جو ہو فطرت بلند
قطرۂ نیساں ہے زندان صدف سے ارجمند

مشک اذفر چیز کیا ہے؟ اک لہو کی بوند ہے
مشک بن جاتی ہے ہو کر نافۂ آہو میں بند

ہر کسی کی تربیت کرتی نہیں قدرت مگر
کم ہیں وہ طائر کہ ہیں دام و قفس سے بہرہ مند

''شہپر زاغ و زغن در بند قید و صید نیست
ایں سعادت قسمت شہباز و شاہیں کردہ اند''[۳۷]

اگرچہ رہائی کے بعد محمد علی دیوانہ وار خلافت تحریک میں کود پڑے۔ لیکن مسلم لیگ سے ان کی محبت، شیفتگی

اور وابستگی بدستور رہی۔۳۰ دسمبر ۱۹۲۰ء بمقام ناگپور مسلم لیگ کا تیرھواں سالانہ اجلاس ڈاکٹر مختار احمد انصاری (۱۸۸۰ء۔۱۹۳۶ء) کی زیر صدارت ہوا۔اس اجلاس کی کاروائی کی سب سے اہم بات یہ تھی کہ اس میں مسلم لیگ کا مقصد پرامن اور آئینی ذرائع سے ہندوستان کے عوام کے لئے آزادی کا حصول قرار پایا۔اس قرارداد کی تحریک محمد علی کی طرف سے کی گئی تھی[۳۸]۔مسلم لیگ کا چودھواں سالانہ اجلاس ۳۰ دسمبر ۱۹۲۱ء بمقام احمد آباد مولانا حسرت موہانی (۱۸۷۷ء۔۱۹۵۱ء) کی صدارت میں ہوا اور پندھرواں سالانہ اجلاس ۳۱ مارچ ۱۹۲۳ء بمقام لکھنو محمد علی جناح کی زیر صدارت ہوا جن میں محمد علی نظر بند ہونے کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے۔سولھواں سالانہ اجلاس منعقدہ ۳۰۔۳۱ دسمبر ۱۹۲۴ء بمقام سید رضا علی کی صدرات میں ہوا۔اس اجلاس میں تیسری اور چوتھی قرارداد پر بحث کے دوران محمد علی نے بھی حصہ لیا[۳۹]۔

یہ وہ دور تھا جب پنجاب میں ایک مضبوط گروہ ایسا پیدا ہوگیا تھا جس کا کہنا تھا کہ میثاق لکھنو (۱۹۱۶ء) سے مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہیں ہوا۔پنجاب اور بنگال کے مسلمان ہر طرح سے قطعی نقصان میں رہے وغیرہ۔کیونکہ پنجاب میں اکثریت کے باوجود ان کو صرف پچاس فیصد نمائندگی ملی اور بنگال میں ترپن فیصد کی بجائے صرف چالیس فیصد نمائندگی ملی۔مسلمان اکثریت میں ہونے کے باوجود اقلیت میں رہے۔جہاں تک مسلم اقلیتوں کا سوال ہے وہ تو کمزور ہی رہیں وغیرہ وغیرہ۔محمد علی بھی پاسنگ کے اصول سے قطعی غیر مطمئین تھے۔ان کا کہنا تھا کہ:

> ''مسلم لیگی لیڈروں نے اکثریت کی اہمیت کو نہیں دیکھا۔بنگال اور پنجاب میں مسلم اکثریت کو کھوکر دوسرے صوبوں میں اپنی اقلیت کی سطح کو بلند کردیا اور ہر صوبہ میں ہندوؤں کی سطح کو سطح مرتفع اور مسلم سطح کو سطح اسفل بنادیا''[۴۰]

مسلم لیگ کا اجلاس لاہور ۱۹۲۴ء کو محمد علی جناح کی صدارت میں ہوا۔اس میں چودھری خلیق الزماں کی طرف سے یہ تجویز پیش ہوئی کہ تمام صوبوں کو ان کی تعداد کے اعتبار سے نمائندگی دی جائے۔محمد علی جوہر نے اس تجویز کی بھرپور حمایت کی۔سبجیکٹ کمیٹی کی تھوڑی بہت مخالفت کے بعد یہ تجویز پاس ہوگئی۔مگر پھر راتوں رات ردوبدل کے بعد لکھنو پیکٹ کو بحال رکھنے کی کوششیں شروع ہوگئیں۔دراصل اب پارٹی بازی چل رہی تھی۔خلافتی اور غیر خلافتی تفریق حائل ہوچکی تھی۔محمد علی جوہر نے اس تجویز کو منوانے کے لئے دلائل اور قوت گفتار کا شاندار مظاہرہ کیا مگر نتیجہ صفر رہا۔اس موقع پر میاں فضل حسین نے بھی اپنا تمام اثر محمد علی اور ان کے گروپ کو ہرانے کے لئے استعمال کیا۔محمد علی

گروپ کو ۸۳ اور دوسرے گروپ کو ۱۲۶ ووٹ ملے۔ یعنی وہ ۴۳ ووٹوں سے ہار گئے[۴۱]۔ حقیقت یہ ہے کہ ہندوؤں نے اس معاہدے کی تکمیل کے بعد کبھی ایک لمحے کے لئے بھی اس پر سنجیدگی سے غور نہیں کیا تھا .پنڈت مالویہ اور لالہ لاجپت رائے تو اس معاہدے کے شدید مخالف تھے۔[۴۲] خصوصاً جداگانہ انتخابات اور اور کونسلوں کی مسلم نشستوں میں پاسنگ ان کے لئے قابل اعتراض دفعات تھیں۔ وہ مسلمانوں کے فائدے کو کیونکر برداشت کر سکتے تھے۔ جبکہ ۱۹۲۵ء میں موتی لال نہرو نے اسمبلی کے اندر صوبہ سرحد کو مساوی حقوق دینے سے اختلاف کیا[۴۳]۔

دسمبر ۱۹۲۵ء میں مسلم لیگ کا سترھواں سالانہ اجلاس سر عبدالرحیم کی صدارت میں بمقام علی گڑھ منعقد ہوا۔ جس میں یہ تجویز پیش کی گئی کہ حکومت برطانیہ ایک رائل کمیشن مقرر کرے جو ہندوستان کے حالات کی تحقیق کر کے ایک ایسی سکیم مرتب کرے جو بتدریج ہندوستان کو لامحالہ ذمہ دار حکومت کی حیثیت تک پہنچادے۔ جس میں مسلم اقلیت کے لئے کافی تحفظات ہوں۔ محمد علی نے اس تجویز میں یہ ترمیم پیش کی کہ سوراج جو ہمارا پیدائشی حق ہے وہ موجود حکومت کے دستور سے ہمیں حاصل نہیں ہے لہذا آل انڈیا مسلم لیگ حکومت سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ تمام ہندوستانی فرقوں اور سیاسی پارٹیوں کی ایک کانفرنس طلب کرے جو فروری ۱۹۲۴ء کی مرکزی اسمبلی کے مطالبہ کے مطابق ایک دستور سوراج گورنمنٹ کا بنا دے[۴۴]۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو نفس مفہوم میں تجویز اور ترمیم میں یہ فرق تھا کہ تجویز میں ایک شاہی کمیشن کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ اور تجویز میں ایک گول میز کانفرنس کا انعقاد کرنے کو کہا گیا لیکن مقام حیرت ہے کہ سر عبدالرحیم نے ترمیم کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ یہ ایک مستقل تجویز ہے جس کو ترمیم نہیں کہا جا سکتا۔ دراصل خلافتی اور لیگی جھگڑے ابھی تک ذہنوں میں خلفشار پیدا کئے ہوئے تھے۔ جو انہیں مخالف سمتوں میں چلا رہے تھے۔ حالانکہ سقوط خلافت کے بعد محمد علی اور دیگر خلافتی خود ہی مسلم لیگ میں شریک ہونے لگے تھے۔ لیکن مسلم لیگ کے کارپردازوں نے مخالف وعناد کی رو میں بہہ کر اس کا دامن بہت تنگ کر دیا تھا۔ اس کے باوجود محمد علی نے ہمت نہ ہاری۔ وہ مسلم لیگ کے ہر اجلاس میں شریک ہوتے اور اس کی کاروائی میں عملی حصہ لیتے رہے۔ محمد علی مخالفت والزامات کے باوجود مسلمانوں کے آپس کے اتحاد اور ہندو مسلم اتحاد کے لئے کوشاں رہے۔ لیکن سمجھوتہ کی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی تو فیصلہ کیا گیا کہ مسلمان چند اہم باتوں پر پہلے خود متفق ہو جائیں اور اس کے بعد کانگریس سے منوانے کی کوشش کریں۔ اس مقصد کے لئے ۲۰ مارچ ۱۹۲۷ء کو محمد علی جناح کی صدارت میں بمقام دہلی ایک کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس کے شرکاء میں راجہ آف محمود آباد (۱۹۳۶ء۔۱۹۷۸ء) مولوی شفیع داؤدی (۱۸۷۹ء۔۱۹۴۹ء) نواب اسمعیل

خان (۱۸۸۳ء-۱۹۵۹ء) مولوی یعقوب علی، سر عبدالرحیم، محمد علی جوہر، سر عبدالقادر، سر محمد شفیع، سر ذوالفقار علی خان اور عبدالمتین چودھری وغیرہ شامل تھے[۴۵]۔ طویل بحث و تمحیص کے بعد یہ طے پایا کہ اگر ہندو مسلمانوں کے دیگر مطالبات تسلیم کریں تو مسلمان جداگانہ انتخابات کے مطالبے سے دستبردار ہو جائیں گے اور مخلوط انتخابات قبول کریں گے۔

محمد علی کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ جداگانہ انتخابات کے خلاف تھے بے جا ہے۔ وہ تو اس کے حق میں تھے۔ اگر وہ مجوزہ دہلی تجاویز میں جداگانہ انتخابات کے مطالبے سے دستبردار ہوئے تو صرف اس شرط پر کہ مسلمانوں کے دیگر مطالبات مان لئے جائیں۔ اور ہندو مسلم مفاہمت کی صورت پیدا ہو جائے۔ محمد علی نے جداگانہ نیابت کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ :

> جب تک پانچ صوبوں میں ہماری اکثریت متعین نہ ہو ہم جداگانہ حلقہ ہائے انتخاب سے ہرگز دستبردار نہیں سمجھے جا سکتے۔۔ جن سربرآوردہ مسلمانوں نے ان تجاویز پر اتفاق کیا تھا ان میں سے کسی نے پوچھا کہ اگر یہ منظور نہ ہوں تو کیا کیا جائے۔ اس وقت متعدد حضرات نے کہا کہ تب تو جداگانہ حلقہ ہائے انتخاب کو قائم رکھا جائے۔ مگر ڈاکٹر انصاری اور ان کے ساتھ دو تین مسلمان سوراجیوں نے جو اسمبلی اور کونسل آف اسٹیٹ کے ارکان تھے فرمایا کہ اس حالت میں بھی مخلوط حلقہ ہائے انتخاب قائم کرا دینا چاہیے۔ میں نے اس وقت بھی اسی طرح اس سے اختلاف کیا تھا جس طرح ۱۹۲۷ء تک برابر کرتا رہا تھا۔ ڈاکٹر انصاری اور چند سوراجیہ ارکان اسمبلی و کونسل آف اسٹیٹ کے اسطرح بلا شرط مخلوط انتخاب قبول کرنے پر میں نے اور غالباً نواب اسمٰعیل خان نے اسکی مخالفت کی[۴۶]۔

تحریک خلافت والوں نے کبھی بھی مخلوط انتخاب کو بلاشرط اس وقت تک قبول نہیں کیا تھا۔ وہ محمد علی کے فارمولے کو مخلوط انتخاب قرار دیتے تھے۔ جس میں ہر امیدوار کو خواہ ہندو ہو یا مسلم ایک فیصد یہ تعداد یعنی پندرہ فیصدی ووٹ دوسری قوم کے لئے ضروری تھے۔ اور اس قسم کے مخلوط انتخاب کو کانگریس نے کبھی تسلیم نہیں کیا تھا۔ محمد علی مخلوط انتخاب کو اس شرط کے ساتھ جانتے تھے کہ ہر امیدوار کو اپنے حلقہ ہائے نیابت میں کم از کم ۴/۳ ووٹ اپنے فرقے (یعنی مسلمان کو مسلمانوں سے اور ہندو کو ہندوؤں سے) سے حاصل کرنا چاہیے اور ۴/ا دوسرے فرقوں سے۔ حقیقتاً اس میں جداگانہ انتخاب ہی کی ایک ادا پائی جاتی تھی۔ یہ وہ دور تھا جب مسلمانان ہند کے سیاسی مستقبل کا حل تلاش کیا جا رہا

تھا۔ بقول علامہ اقبال: یہ حل within India ہی تلاش کیا جارہا تھا[۴۷]۔

جداگانہ انتخاب کے حامی ہونے کے باوجود محمد علی نے سیاسی انتشار کے خاتمے اور ہندو مسلم اتحاد کے لئے نا صرف خود مخلوط انتخاب کو قبول کیا بلکہ وہ مسلمان زعماء جو اس کے مخالف تھے انہیں بھی قائل کیا اس سلسلے میں محمد علی تحریر کرتے ہیں کہ: ''میں خوش ہوں کہ میری تجویز کو مولانا ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر انصاری، مسز بیسنٹ مالوی جی، مسٹر جینا (جناح) اور مسٹر چھاگلہ نے بھی قبول فرمایا۔ لیکن میں اس کا اعادہ کرتا ہوں کہ جن شرائط کے ساتھ بھی مخلوط انتخابات کو مسلم لیگ اور مسلمانوں کی ایک وقیع جماعت نے قبول کیا۔ ان کو ان انتخابات کو قبول کرانے والا حقیقتاً صرف ایک شخص تھا اور اس کا نام محمد علی جوہر ہے۔ مسلم لیگ صوبہ جات متحدہ کے سالانہ اجلاس منعقدہ میرٹھ میں بھی اسے میں نے ہی منظور کرایا تھا۔ حالانکہ میں اس وقت اس کا ایک عضو بھی نہ تھا اور کلکتہ میں بھی اسے میں نے ہی منظور کرایا''[۴۸]۔

محمد علی جوہر ''میثاق لکھنؤ'' پاسنگ کے اصول سے قطعی غیر مطمئن تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ مسلم لیگی لیڈروں نے اکثریت کی اہمیت کو نہیں دیکھا۔ بنگال اور پنجاب میں مسلم اکثریت کو کھو کر دوسرے صوبوں میں اپنی اقلیتوں کی سطح کو بلند کر دیا۔ لہذا محمد علی نے تجاویز دہلی کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ:

۲۰ مارچ ۱۹۲۷ء کو اس غلط کاروائی کی اصلاح اسطرح کرانا تجویز کیا گیا کہ ہندو اور مسلمانوں کے تناسب کو پھر سے اسی طرح ناہموار کر دیا جائے۔ جسطرح قدرت نے اسے ناہموار کیا ہے۔ اور یہ نہ کیا جائے کہ خدا کے عالی بنائے ہوئے کو سافل اور سافل بنائے ہوئے کو عالی کر دیا جائے۔ اور خدا کی طرح میثاق لکھنو بنانے والے ہی کہیں ''فجعلنا عالیها سافلها وامطرنا علیهم حجارته من سجیل'' اور مسلمانوں کو ہر جگہ اقلیت میں رکھوا کر ان کو کچل ڈالیں۔ بلکہ جہاں وہ عالی ہیں ان کو عالی ہی چھوڑ دیا جائے[۴۹]۔

ازیں بعد مسلم لیگ کا اجلاس کلکتہ میں ہوا جس کی صدارت محمد علی جناح نے کرنی تھی۔ لیکن ان کی عدم موجودگی کے باعث فوری فیصلہ کے مطابق سر محمد یعقوب علی نے صدارت کی۔ اس اجلاس میں ۲۰ مارچ ۱۹۲۷ء والے اجلاس کی تجاویز کو منظور کیا گیا۔ جداگانہ انتخاب یا مخلوط انتخاب کے مسئلہ پر مسلم لیگ دو دھڑوں میں بٹ گئی تھی۔ ایک کی قیادت محمد علی جناح اور دوسرے گروپ کی قیادت سر محمد شفیع کر رہے تھے۔ مولانا ظفر علی خان

(۱۸۷۲ء۔۱۹۵۶ء) نے اس اجلاس میں یہ تجویز پیش کی کہ سر محمد شفیع کو الگ لیگ بنانے کی بناء پر مسلم لیگ سے خارج کر دیا جائے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ محمد علی جوہر نے اس اصولی موقف کی بھرپور حمایت کی [۵۰]۔ حالانکہ مولانا ظفر علی خان، محمد علی کے مخالفین میں سے تھے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ محمد علی بے جا مخالفت یا حمایت کی بجائے صحیح کو صحیح اور غلط کو غلط کہتے تھے۔ اس سلسلے میں دوستوں یا دشمنوں کی ان کے نزدیک کوئی قید نہ تھی۔

نہرو رپورٹ ۱۹۲۸ء اور اس کے اختلافات کے نقصان نے مسلمانوں کی آنکھیں کھول دیں اور انہیں ایک مرکز پر جمع ہونے کا خیال آیا۔ جداگانہ انتخاب کے نظریہ کے حامی راجہ سلیم پور، سید احمد علی خان (۱۸۹۱ء۔۱۹۶۴ء) نواب محمد یوسف، نواب چھتاری، مسلم زمینداروں اور تعلقداروں نے سر آغا خان کو دعوت دی کہ وہ ۲۱ دسمبر ۱۹۲۸ء کو ایک آل پارٹیز مسلم کانفرنس دہلی کی صدارت کریں۔ یہ تاریخ خصوصاً اسلئے متعین کی گئی تھی کہ مسلم لیگ اور آل پارٹیز کلکتہ کنونشن کے لوگ بھی اس میں شریک ہو سکیں۔ اس جلسہ میں محمد علی، شوکت علی (۱۸۷۲ء۔۱۹۳۸ء) نواب اسمٰعیل خان اور غور وفکر کرنے والے اشخاص نے شرکت کی۔ مسلم لیگ، جمعیت علمائے ہند اور خلافت کانفرنس کے نمائندے اس میں شریک ہوئے۔ اور سب نے مل کر نہرو رپورٹ کو رد کر دیا اس کانفرنس میں چودہ نکاتی تجویز قبول کی گئی۔ جس میں تمام مسلم مطالبات کو شامل کیا گیا تھا [۵۱]۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ کلکتہ مسلم لیگ کے اجلاس نے آل پارٹیز مسلم کانفرنس میں شرکت کے دعوت نامے کو قبول نہیں کیا تھا۔ یہ کانفرنس جنوری ۱۹۲۹ء کو دہلی میں بصدارت سر آغا خان منعقد ہوئی تھی۔

سیاسی میدان میں مسلمانوں کی دھڑے بندی جاری تھی۔ جناح لیگ اور شفیع لیگ دو مخالف گروپوں کی حیثیت سے کام کر رہی تھی۔ محمد علی جوہر، مسٹر محمد علی جناح کے ساتھ مل کر ان دونوں لیگیوں کو متحد کرنے میں کوشاں رہے۔ مسٹر جناح نے اس سلسلے میں مارچ ۱۹۲۹ء کو مسلم لیگ کا اجلاس دہلی میں بلوایا۔ لیکن محمد علی جناح کو جلسہ گاہ پہنچنے میں غیر معمولی تاخیر ہو گئی کیونکہ وہ جداگانہ انتخاب کے حامی لوگوں سے گفت وشنید کے لئے حکیم اجمل خان (۱۸۶۳ء۔۱۹۲۷ء) کے گھر چلے گئے تھے۔ اس اثناء میں چودھری خلیق الزماں (۱۸۸۹ء۔۱۹۷۳ء) گروپ یعنی نیشنلسٹ حضرات نے ڈاکٹر عالم کو صدر منتخب کر کے جلسہ کی کاروائی شروع کر دی۔ سر محمد یامین (۱۸۸۶ء۔۱۹۶۶ء) نے اپنی کتاب ''نامۂ اعمال'' میں اس اجلاس کے واقعہ سے متعلق تمام کروائی تفصیلاً تحریر کی ہے [۵۲]۔ تھوڑی دیر بعد محمد علی جناح نے آ کر جلسہ کی صدارت سنبھالی۔ جس میں آل پارٹیز دہلی کے تمام مطالبات من وعن مان لئے گئے۔ سوائے

ایک ترمیم کے کہ اگر دیگر ۱۳ مطالبات ہندو مان لیں تو مسلم لیگ جداگانہ انتخاب کو چھوڑ کر مخلوط انتخاب قبول کر لے گی۔ لیکن کانگریس گاندھی اور ہندو مہاسبھا کے لیڈر ڈاکٹر مونجے وغیرہ نے ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے حسب روایت ان تمام مطالبات کو شدید تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے مسترد کر دیا۔ یہی وہ مطالبات تھے جو تاریخ میں مسٹر جناح کے چودہ نکات کے نام سے مشہور ہوئے۔ جنہیں محمد علی جوہر کی بھرپور حمایت حاصل تھی۔

محمد علی جوہر اور ان کے رفقاء کی کوششیں رنگ لائیں۔ آخر کار شفیع لیگ اور جناح لیگ نے دوبارہ یکجا ہو کر اپنے اختلافات ختم کر دئے اور مشترکہ جدوجہد کی راہ اختیار کی۔ نہرو رپورٹ کی یہ جوابی تجاویز مسلم قوم کے جذبات اور مطالبات کی آئینہ دار تھیں۔ لیکن کانگریس نے انہیں شرف قبولیت نہ بخشا۔ ہندو مہاسبھا کے لیڈر ڈاکٹر مونجے نے ان نکات کو ہندوستانی قومیت کی روح کے منافی اور سندھ کی علیحدگی کو عیاشی قرار دیا۔ ان نکات نے نہرو رپورٹ کا بھرم کھول دیا اور مسلمانوں کو ذہنی انتشار سے نکال کر صحیح منزل کی طرف گامزن کر دیا۔ اگر یہ کہا جائے کہ آل انڈیا مسلم لیگ کو متحد کرنے اور ذہنی انتشار سے مسلمانوں کو نکالنے میں محمد علی جوہر نے اپنی زندگی وقف کر دی تو بے جا نہ ہوگا۔

حوالہ جات

۱۔ احمد علی خان شوق، تذکرہ کاملان رامپور، دہلی، ۱۹۲۹ء، ۸۴۔۸۵

۲۔ ڈبلیو۔ ڈبلیو۔ ہنٹر، ہمارے ہندوستانی مسلمان، حصہ اول (مترجم صادق حسین) لاہور، ۱۹۵۵ء، ۲۱۶۔۱۸

۳۔ رئیس احمد جعفری، سیرت محمد علی، دہلی، ۱۹۳۲ء، ۷۔۱۹

۴۔ عاشق حسین بٹالوی، ہماری قومی جدوجہد، لاہور، ۱۹۶۶ء، ۲۴۸۔۵۲

۵۔ طفیل احمد منگلوری، مسلمانوں کا روشن مستقبل، دہلی، ۱۹۴۵ء، ۲۷۰۔۷۵

۶۔ ایس۔ ایم۔ اکرام، موج کوثر، لاہور، ۱۹۸۴ء، ۲۸۱

۷۔ سید محمد ہادی، علی برادران اور ان کا زمانہ، دہلی، ۱۹۷۸ء، ۱۳۰۔۴۵

۸۔ رئیس احمد جعفری، علی برادران، دہلی، ۱۹۶۳ء، ۱۷۹۔

۹۔ اشتیاق حسین قریشی، برصغیر پاک وہند کی ملت اسلامیہ، کراچی، ۱۹۸۵ء، ۳۴۸

۱۰۔ افضل اقبال، Life and Times of Mohammad Ali، لاہور، ۱۹۷۹ء، ۳۶۔۳۷

۱۱۔ روزنامہ ہمدرد، محمد علی جوہر، دہلی، ۱۲ جنوری ۱۹۲۷ء

۱۲۔ سید شاہ محمد قادری، مولانا محمد علی جوہر، لاہور، ۱۹۹۸ء، ۲۸۰۔۸۱

۱۳۔ Peter Hardy, **The Muslims of British India,Cambridge,**1972,59

۱۴۔ Seeta Ramia,Pteabhi,**History of the Indian national congress**,madras,1935,vol-1,35-37

۱۵۔ Richard Symands,**The Meaning of Pakistan**,London,1950,39-40;

۱۶۔ A.B.Rajput,**Muslim league yesterday and Today**,Lahore,1948,19

۱۷۔ syed sharifudden pirzada,**Foundations of Pakistan**,All India Muslim league Documents,1906-1947,karachi,1970,19-21

۱۸۔ محمد سلیم احمد، آل انڈیا مسلم لیگ، لاہور، ۱۹۹۶ء، ۱۰۰۔

۱۹۔ Mohammad saleem Ahmed,**Turkish coats and Fezes A new Look at the Birth of All India Muslim League at Dacca,Jounral of pakistan Historical Society,part II,April,1988**,120.

۲۰۔ رئیس احمد جعفری، سیرت محمد علی، دہلی، ۱۹۳۲ء، ۲۲۴۔

۲۱۔ افضل اقبال، بحوالہ سابقہ، ۴۴۔۴۹

۲۲۔ طفیل احمد منگلوری، بحوالہ سابقہ، ۳۶۰۔۶۱

۲۳۔ سید شریف الدین پیرزادہ، بحوالہ سابقہ، ۸۲۔

۲۴۔ افضل اقبال، بحوالہ سابقہ ۵۶

۲۵۔ سید شریف الدین پیرزادہ، بحوالہ سابقہ، ۱۹۸۔۹۹۔

۲۶۔ فرمان فتحپوری، بحوالہ سابقہ، ۳۰۰۔ اردو ہندی تنازعہ، اسلام آباد، ۱۹۷۷ء، ۵۷۔۸

۲۷۔ افضل اقبال، بحوالہ سابقہ، ۵۴۔۵۵۔

۲۸۔ سید شریف الدین پیرزادہ، بحوالہ سابقہ، ۷۱۔۷۲۔

۲۹۔ ایضاً، ۲۰۵۔

۳۰۔ Lal Bahadar,**The Muslim league**,Agra,1954,90-91,**Civil and Military Gazette**,3-jan,1913

۳۱۔ سید شریف الدین پیرزادہ، بحوالہ سابقہ، ۲۶۰۔۶۵

۳۲۔ Shan Mohammed,**The Indian Muslims,vol,3**,Dehli,1980-244-58

۳۳۔ شان محمد، بحوالہ سابقہ، ۲۶۰۔۶۵
۳۴۔ A.H.Albiruni,Makers of Pakistan and Modern Muslim India,Lahore,1950,136-38
۳۵۔ افضل اقبال، بحوالہ سابقہ، ۱۵۰۔۵۳
۳۶۔ عبدالماجد دریابادی، محمد علی: ذاتی ڈائری کے چند ورق، جلد اول، اعظم گڑھ، ۱۹۵۲ء، ۱۱۵۔۱۶
۳۷۔ غلام رسول مہر، مطالب بانگ درا، لاہور، ۱۹۷۶ء، ۳۰۳
۳۸۔ محمد سلیم احمد، آل انڈیا مسلم لیگ، لاہور، ۱۹۹۶ء، ۲۶۱
۳۹۔ شان محمد، بحوالہ سابقہ، ۵۲۔۵۷
۴۰۔ رئیس احمد جعفری، مقالات محمد علی، حصہ اول، حیدر آباد، ۱۹۴۳ء، ۹۷
۴۱۔ چودھری خلیق الزماں، شاہراہ پاکستان، کراچی، ۱۹۶۷ء، ۴۳۶۔۳۷
۴۲۔ نسیم سوہدروی، علی گڑھ کے تین نامور فرزند، لاہور، ۱۹۷۴ء، ۱۸۵
۴۳۔ Jawahar Lal Nehru,An Autobiography,London,1936,223-25
۴۴۔ چودھری خلیق الزماں، بحوالہ سابقہ، ۴۴۱۔۴۲
۴۵۔ سید نور احمد، مارشل لاء سے مارشل لاء تک، لاہور، ۱۹۶۶ء، ۸۳
۴۶۔ روزنامہ ہمدرد، دہلی، ۱۳ جنوری ۱۹۲۹ء۔
۴۷۔ رفیق افضل، گفتار اقبال، لاہور، ۱۹۶۹ء، ۲۶۔۲۷
۴۸۔ روزنامہ ہمدرد، روداد چمن، محمد علی کی سیاسی سرگذشت، ۱۰۔۱۵ جنوری، ۱۹۲۹ء۔
۴۹۔ رئیس احمد جعفری، بحوالہ سابقہ، ۱۹۴
۵۰۔ چودھری خلیق الزماں، بحوالہ سابقہ، ۴۶۷۔
۵۱۔ طفیل احمد منگلوری، بحوالہ سابقہ، ۳۸۱۔۸۳
۵۲۔ سر محمد یامین، نامۂ اعمال، لاہور، ۱۹۷۰ء، ۳۹۲۔

Institute's Publications

1.	*Political Parties in Pakistan, 1947-1971*, (3 vols.), Dr. M. Rafique Afzal	Rs. Rs. Rs.	90/- 250/- 250/-
2.	*The Case for Pakistan*, Dr. M. Yusuf Abbasi	Rs.	260/-
3.	*London Muslim League (1908-1928): A Historical Study*, Dr. M. Yusuf Abbasi	Rs.	260/-
4.	*Making of Pakistan: The Military Perspectives*, Dr. Noor-ul-Haq	Rs.	150/-
5.	*The Frontier Policy of Delhi Sultans*, Dr. Agha Hussain Hamadani	Rs.	150/-
6.	*Newsletters in the Orient*, Dr. Abdus Salam Khurshid	Rs.	120/-
7.	*Quaid-i-Azam and Education*, Dr. S.M. Zaman (ed.)	Rs.	200/-
8.	*Islam in South Asia*, Dr. Waheed-uz-Zaman and Dr. M. Saleem Akhtar (eds.)	Rs.	450/-
9.	*Exporting Communism to India: Why Moscow Failed?* Dushka H. Sayid	Rs.	150/-
10.	*Multan: History and Architecture*, Dr. Ahmed Nabi Khan	Rs.	160/-
11.	*Pakistani Culture: A Profile* Dr. M. Yusuf Abbasi	Rs.	300/-
12.	*Muslim Ummah and Iqbal*, Dr. (Brig) Muhammad Ashraf Chaudhry	Rs.	250/-
13.	*Pakistan: A Religio-Political Study*, Dr. Shaukat Ali	Rs.	350/-
14.	*Islam and Democracy in Pakistan*, Dr. M. Aslam Sayid	Rs.	200/-
15.	*History of Sind* (*British Period 1843-1936*) Vol. I, Dr. Laiq Ali Zardari	Rs.	200/-
16.	*Modern Muslim India in British Periodical Literature* (*1843-1936*) Vol. I, Dr. K.K. Aziz	Rs.	480/-
17.	*Jamiyyat Ulama-i-Pakistan, 1948-79*, Mujeeb Ahmad	Rs.	150/-
18.	*Perspectives on Kashmir*, Dr. (Miss) K.F. Yusuf (ed.)	Rs.	350/-
19.	*Separation of Sind from Bombay Presidency*, (2 vols.) Dr. Hamida Khuhro	Rs.	120- 250/-
20.	*History of the Northern Areas of Pakistan*, Dr. A.H. Dani	Rs.	350/-
21.	*The Punjab Muslim Students Federation, 1937-47*, Dr. Sarfaraz Hussain Mirza	Rs.	250/-
22.	*N.W.F.P. Administration under British Rule, 1901-1919*, Dr. Lal Baha	Rs.	75/-
23.	*Thatta: Islamic Architecture*, Dr. A.H. Dani	Rs.	240/-